حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی مدظلہ

آخری قسط

پاکستان میں نفاذ شریعت اور فکرِ جدید

ڈاکٹر صاحب نے زیر نظر کتاب کے صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے کہ "علماء اہل سنت نے تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی مسیحی) میں جب تجدید فقہ کی کوشش کی تو اس میں اس قدر توسع سے کام لیا کہ ائمہ مجتہدین اہل سنت کے فقہ کے علاوہ بعض اوقات شیعہ فقہ کو بھی اس نظر سے دیکھا تجدید فقہ کے لئے موضوع کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اور سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اہل سنت نے کبھی شیعہ فقہ کو لائق التفات نہیں سمجھا، اور اس سے مسائل اخذ کرنے کو بھی جائز نہیں قرار دیا۔ فقہاء امت نے خواہ وہ ماضی قریب کے ہوں یا ماضی بعید کے ہمیشہ شیعوں کو گمراہ سمجھا۔ بعض نے ان کی تکفیر کی، بعض نے ان کی تکفیر تو نہیں کی مگر انہیں مبتدع اور ضال کہا، ان کے فقہ سے وہ کوئی بات کیسے اخذ کر سکتے تھے۔ اب تو علماء اہل سنت نے متفقہ طور پر شیعہ اثنا عشریہ کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں ان فقہاء و علماء اہل سنت میں شیعہ مذہب سے تفصیلی واقفیت رکھنے والے بھی شاذ و نادر بلکہ النادر کالمعدوم رہے ہیں۔ جس چیز کا انہوں نے مطالعہ ہی نہیں کیا تھا اس سے کوئی بات اخذ کیسے کرتے اس زاویے سے بھی دیکھئے تو ڈاکٹر صاحب کی بات بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ کوئی فقیہ ناواقفیت کی وجہ سے کسی کے دھوکہ میں آ گئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا ہو تو اس کی سند نہیں۔ اس کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "فقہ کے مختلف مکاتب بے تلفیق کرنے میں علماء اہل سنت نے اس قدر توسع سے کام لیا ہے کہ بعض اوقات اس سلسلہ میں شیعہ مذہب پر بھی نظر کی ہے" حق یہ ہے کہ علماء اہل سنت نے کسی شیعہ فقہ کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ اور اسے اپنے فقہ کا جزو بنانے یا اس پر عمل کرنے بلکہ اسے لائق اعتنا سمجھنے کو ہی ہمیشہ ممنوع اور حرام سمجھا ہے۔ اس تفصیل سے یہ مسئلہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اوپر مختلف مکاتب فقہ سے اخذ و استفادہ کے بارے میں توسع کا جو تذکرہ میں نے کیا ہے وہ فقہ اہل سنت تک محدود ہے۔ سنی فقہ کے سوا کسی فقہ کی طرف اس مقصد سے التفات کرنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس سے کچھ اخذ کرنا، اس لئے فقہ جعفری سے کچھ اخذ کرنا، بلکہ لائق اعتنا سمجھنا ہی شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ فقہ جعفری کوئی اسلامی فقہ نہیں اس کی تفصیل میں اپنے ایک سابق مضمون میں کر چکا ہوں

جو نقیب ختم نبوت میں چند ماہ پہلے شائع ہو چکا ہے۔

سنت کے معنی

ڈاکٹر صاحب نے سنت کے معنی پر بہت تفصیلی بحث کی ہے جو علمی زاویۂ نظر سے قیمتی اور قابل قدر ہے۔ لیکن نتیجہ بحث اخذ کرنے میں موصوف کو غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ یہ غلطی انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم سے بھی یہی لغزش سرزد ہوئی ہے۔ کتاب میں اس مسئلے پر پروفیسر جوزف شاٹ، پروفیسر کالوس وغیرہ مستشرقین مغرب کے اقوال و آراء نقل کئے گئے ہیں۔ شاید انہیں سے متاثر ہو کر ڈاکٹر صاحب اس غلطی میں مبتلا ہوئے جس کی وجہ سے انہوں نے نتیجہ نکالنے میں غلطی کی۔ اس غلط فہمی کی شرح یہ ہے کہ یہ مغربی مستشرقین و مفکرین مسلمان نہیں ہیں قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے کے باوجود یہ ایمان سے محروم رہے۔ انہوں نے خاتم النبیین سید الاولین والآخرین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک مصلح (REFORMER) سمجھا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ پر بحث و گفتگو کی ہے۔ افسوس ہے کہ زیر نظر کتابچے کے فاضل مصنف اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم نے مستشرقین کی اس غلطی اور فکری بے راہ روی پر نظر نہیں کی۔ اور غیر شعوری طور پر انہیں کا زاویۂ اختیار کر لیا۔

نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل حیثیت یہ نہیں ہے کہ آپ مصلح ہیں۔ بلکہ اصل رتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کئے ہوئے رسول اور نبی ہیں۔ مستشرقین کی طرح ان حضرات نے نبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مرتبہ عظیم سے چشم پوشی کر کے سنت کے معنی پر غور کیا، اس لئے غلط نتائج تک پہنچے۔

نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول و نبی ہیں، خاتم النبیین والمرسلین ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت قیامت تک باقی رہے گی، یعنی دائمی و ابدی ہے، اور آپ کی بعثت "کافۃ الناس" یعنی دنیا کے ہر ملک اور کرۂ ارض پر رہنے والی ہر قوم کی طرف ہوئی ہے اس کے ساتھ یہ بھی مستحضر کر لیجئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام و ئے ان کی تعلیم آپ کو وحی ربانی نے دی تھی، جو احکام آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اجتہاد سے دیے ان کی تصویب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گئی، ان سب امور و عقائد کو ذہن میں رکھ کر جب ہم شریعت مقدسہ کے زمانی و مکانی پہلو پر غور کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام قولاً، عملاً یا تقریراً امت

کر بتائے ۔ یا جو طریقہ وطرز مقرر فرمایا ۔ وہ اصلاً دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم کے لئے ہیں اور کسی مخصوص معاشرے اور کسی متعین ومحدود زمانے کی قید سے بھی آزاد ہیں ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکام عرب کے اس مخصوص معاشرے کے ساتھ مخصوص تھے ۔ یہی نہیں کہ ہم اس سے بھی بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اعمال خود آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھے ۔ جن پر عمل کرنے کی دوسروں کو اجازت بھی نہ تھی ۔ مثلاً ہر امتی پر نکاح کے بارے میں یہ پابندی عائد ہے کہ بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا شوہر نہیں بن سکتا —— لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی عائد نہ تھی ۔ اور یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ۔ بیک وقت چار سے زائد ازدواج رکھنا ہر امتی کے لئے حرام ہے ۔ اسی طرح صوم وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔ لیکن آنحضورؐ نے دوسروں کو اس کی ممانعت فرمائی ہے ۔ یہ سنت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی ۔ دیت اونٹوں کے حساب سے مقرر فرمائی گئی تھی ۔ یہ حکم مخصوص عربی معاشرے کے ساتھ خاص تھا ۔ کیونکہ عرب میں اس وقت سب سے زیادہ قیمتی مال اونٹ ہی تھا ۔ لیکن کسی دوسرے ملک میں، یا خود عرب میں زمانے میں دیت میں اونٹ دینا ضروری نہیں ۔ بلکہ اسی کے حساب سے ریال، یا اور کسی قسم کا مال بھی دیا جا سکتا ہے ۔ بلکہ ایسا ہی مال دیا جائے گا جو اس معاشرے اور اس ملک میں مفید ہو، اور جس کی احتیاج زیادہ ہو ۔

یہ خصوصیت کی مثالیں ہیں ۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں ۔ لیکن اس تخصیص کے لئے دلیل کی احتیاج ہوگی ۔ جب تک اس پر کوئی اطمینان بخش دلیل شرعی قائم نہ ہو اس وقت تک ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ کے کسی حکم کو کسی زمان، مکان یا کسی معاشرے، ملک یا قوم کے لئے تو مخصوص نہیں سمجھ سکتے ۔ اس لئے ہم ہر "سنّت" کو ہر زمانہ اور معاشرے کے لئے اور ہر ملک وقوم کے لئے عام ہی سمجھتے ہیں ۔ صرف ان سنتوں کو اس کلیہ سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں جن کی تخصیص اور جن کے استثناء پر کوئی دلیل شرعی ملتی ہے ۔ جن سنن کو ہم عام قرار دیتے ہیں اگر بالفرض ان میں سے کسی کی تخصیص پر کوئی دلیل شرعی قائم ہو جائے تو اسے بھی ہم مستثنیات میں داخل کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ لیکن دلیل شرعی ہونا چاہیئے جو شرعاً معتبر ہو ۔ محض خواہش، یا صرف ایسی عقلی دلیل کی بنا پر جو شرعاً معتبر نہ ہو، کسی سنت اور کسی حکم شرعی کو، دور نبوی، یا دورِ خلافت کے ساتھ یا عرب اور اس کے معاشرے کے ساتھ مخصوص قرار دینا، اور دور موجودہ میں، یا عرب کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں اس کی تعمیل کو غیر ضروری سمجھنا، ہمارے نزدیک تحریفِ شریعت ہے ۔

جو کسی طرح جائز نہیں، اور جن کا معصیت کبیرہ ہونا تسلیم شدہ ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے جو جناب مصنف کی نظر سے اوجھل ہوگئی۔ موصوف نے سنت کے معنیٰ بیان کرنے میں تفصیل سے کام لیا ہے اور متعدد معتبر مراجع سے اس کے معنیٰ نقل کئے ہیں اور بتایا ہے کہ سُنّت کے معنیٰ "طریق مستقیم" بہترین طریقہ مثالی طریقہ جو دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے۔ طریقہ مسلوکہ، طریقہ متبوعہ ہیں۔ ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے ہمیں ڈاکٹر صاحب سے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اس سے موصوف نے جو اخذ و استنباط کیا ہے۔ اس میں غلطی کی ہے۔ سنّت کے یہ معنیٰ بالکل صحیح ہیں۔ مگر یہ اس کے لغوی اور عرفی معنیٰ ہیں۔ بہت سے علماء نے "سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معنیٰ بیان کرنے میں اس لفظ کے اصطلاحی معنیٰ کی مناسبت اس کے لغوی و عرفی معنیٰ کے ساتھ بیان کرنے کے لئے اس کی تشریح بھی اس طرح کی ہے کہ وہ طریقہ مستقیم، یا بہترین طریقہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔ اس سے ڈاکٹر اور اس کے ہم خیال حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ سنت کے اصطلاحی معنیٰ بھی یہی ہیں۔ سنّت کے یہ معنی بالکل صحیح ہیں۔ لیکن فقہاء و محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ سنت بھی شریعت اور قوانین شرعیہ کا ایک ماخذ ہے۔ تو اس کے لغوی و عرفی معنیٰ نہیں مراد لیتے بلکہ اس لفظ سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جسے اختیار کرنے کی امت کو تعلیم دی، بلاشبہ ہر مسنون طریقہ بہترین اور مثالی ہے اور طریق مسنون ہی صراط مستقیم ہے۔ لیکن استنباط مسائل میں اس کے یہ اوصاف پیش نظر نہیں ہوتے اور نہ ان اوصاف کی بنا پر اس کی اتباع کی جاتی ہے بلکہ ان صورتوں میں صرف یہ امر ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس کی صرف یہ حیثیت پیش نظر ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کیا ہوا اور تعلیم کیا ہوا طریقہ ہے۔ قرآن حکیم میں اطاعت رسول اور اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تم اس طریقہ کی اتباع کرو جو بلحاظ زمان و مکان اور معاشرے کے حالات و ظروف کے اعتبار سے بہترین اور مثالی ہو۔ ہم سنت سے احکام و مسائل اخذ کرتے ہیں۔ جن کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کسی وقت وہ مصلحت اس طریقہ سے حاصل نہ ہوسکے جو رسول کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم کے زمانہ، اور ملک عرب میں حاصل ہوتی تھی۔ تو بھی ہم اسی طریقہ کو اختیار کریں گے، اور اسی کا اختیار کرنا فرض و واجب سمجھتے ہیں جس کی تعلیم قول یا عمل یا تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ مستشرقین مغرب اسلام سے محروم ہونے کی وجہ سے اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی اس بے خبری کی وجہ سے اسلامی احکام

میں ردوبدل کی تجویز پیش کردی، ان بے خبروں کے آراء سے متأثر ہوکر، ڈاکٹر محمد اقبال صاحبؒ اور زیر نظر کتاب کے محترم مصنف بھی ان کے ہم آراء ہوگئے اور اس نکتہ کی طرف انہیں التفات نہیں ہوا، اس کی طرف التفات نہ کرنے، اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ان حضرات سے دوسری غلطیاں صادر ہوئیں بطور مثال ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم کی مندرجہ ذیل رائے ملاحظہ ہو جو زیر نظر کتاب میں جناب مصنف نے موصوف کی کتاب "ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام" سے نقل کی ہے :-

"اصول کو عملی شکل دینے سے جو شرعی اقدار (احکام) وجود میں آئے ہیں (یعنی وہ ضوابط جو سزاؤں کے متعلق ہیں ایک معنی میں اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ اور آنے والی نسلوں میں سختی کے ساتھ نہیں نافذ کئے جاسکتے"۔ (ص ۹۱)

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے جزئی اور استثنائی حیثیت وصورت میں تو صحیح کہی جاسکتی ہے لیکن اسے ایک اصول کلی کی صورت میں پیش کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں" ان لوگوں کے ساتھ مخصوص" (SPECIFIC TO THAT PEOPLE) کہنا بھی کوئی مناسب تعبیر نہیں۔ اس کے بجائے ان احوال کے ساتھ مخصوص کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ قرآن مجید صرف عرب کے لئے تو نہیں نازل ہوا ہے۔ اور نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف عرب کے لئے تو نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے شریعت کے بعض احکام کو بعض احوال کے ساتھ تو مخصوص سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن کسی ملک، یا قبیلے، اور شہر کے لئے نہیں مخصوص سمجھا جاسکتا۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان مذکور کو میں نے کلیتہً رد نہیں کیا ہے۔ بلکہ اسے ایک کلی اصول کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سزاؤں کے متعلق بعض ضوابط شرعی ایسے ہیں جنہیں اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا جاسکتا اور انہیں کسی زمانہ اور حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً سارق کے لئے قطع ید کی سزا شریعت نے مقرر کی ہے۔ مگر یہ سزا اسی وقت دی جاسکتی ہے۔ جب جرم ثابت ہوجائے۔ ثبوت جرم کے لئے لازم ہے کہ خود ملزم اقرار جرم کرے یا دو چشم دید عادل گواہ اس کی شہادت دیں۔ اس قاعدے میں نرمی برتنا مثلاً دو شاہدوں کے بجائے ایک ہی شاہد کی شہادت سے حد جاری کردینا۔ جائز نہیں کہا جاسکتا، اوّل تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں شرائط وضوابط قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم

وغیرہ ہے۔ اگر یہ صرف وقت نزول کے حالات کے ساتھ مخصوص ہوتے تو قرآن مجید میں اس کی وضاحت فرما دی جاتی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے۔ جب اس قسم کی کوئی بات نہیں ملتی تو اسے کسی قوم ملک یا معاشرے کے ساتھ مخصوص کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ ہم کسی حکم شرعی کو اپنی رائے سے کسی دور میں منسوخ قرار دیں؟

دوسرے یہ کہ "قطع ید" ایک سخت سزا ہے۔ حدود کے بارے میں شریعت کا عام اصول یہ ہے کہ ان کے اجراء میں بہت احتیاط برتی جائے۔ فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ حدود شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ جرم کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی، اور حد جاری کرنا جائز نہ ہوگا۔ شریعت کے اس رجحان پر نظر کرنے کے بعد مقبول شہادت کے بارے میں اس نرمی کی کوئی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس بارے میں سنت کی پابندی میں اس قدر شدت برتی گئی تو سرقہ کرنے کی جرأت ان لوگوں میں بڑھے گی جو اس قسم کے جرائم کے خوگر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حد ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کوئی سزا ہی نہ دی جائے۔ اگر قوی قرائن سے جج کے نزدیک ملزم کا جرم ثابت ہو جائے تو وہ اسے متبادل سزا دے سکتا ہے۔ اور حکومت اصول سد ذریعہ کے ماتحت اس قسم کا قانون وضع کر سکتی ہے۔ جس کی رو سے قاضی ایسے مجرموں کو مقررہ سزا دے سکے، جن پر فقدان شرائط کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جا سکتی اور ان کا جرم ثابت ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی مناسب سزا دینا لازم ہو۔ یہ ایک مثال ہے۔ اس قسم کے مسائل اور بھی ہیں۔ اس لئے ہم دونوں فضلاء یعنی ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر گورایہ صاحب کے مندرجہ بالا اصول کو بصورت کلیہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان

سنت کے معنی کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ ان فضلاء کی تائید نہیں کرتا۔

——— حضرت شاہ صاحبؒ تو امام مالکؒ کا ایک اصول اجتہاد بیان فرما رہے ہیں کہ وہ آثار و احادیث کا استقراء کر کے ایک ضابطہ کلیہ اخذ کرتے تھے، جو ان سب میں مشترک ہوتا تھا۔ اور اسی کو "سنت" کہتے تھے۔ اگر کوئی حدیث ایسی ملتی تھی جو اس ضابطہ عامہ اور قاعدہ کلیہ کے خلاف ہو تو اسے سنت نہیں کہتے تھے۔ اور اس کی بنا پر اس ضابطہ عامہ اور قاعدہ کلیہ کو نہیں چھوڑتے

تھے ۔ بلکہ اس حدیث کی کوئی تاویل کرتے تھے ۔ یا کسی خاص محل پر محمول کرکے اسے مستثنیات میں داخل کرتے تھے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ صرف اس بناء پر سُنّت کہتے تھے کہ وہ ایک بہترین ، اور مثالی طریقہ اور قابل تقلید طرزِ عمل ہے ۔ وہ یقیناً اسے ان اوصافِ حسنہ سے متصف سمجھتے تھے لیکن اسے حکم شرعی کا ماخذ ان اوصاف کی بناء پر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس بناء پر اسے ماخذ حکم شرعی قرار دیتے تھے کہ وہ طرزِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ امام مالکؒ اس کے عملی ضوابط" یا اس کی عملی شکلوں کو دورِ نبوی ، اور دورِ خلفاء راشدین یا اہل عرب کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں ۔ وہ یقیناً ان سب کو عام ہی سمجھتے تھے اور کسی زمان و مکان یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے تھے ۔ سوا اس صورت کے ——— جب اس تخصیص کی کوئی دلیل پائی جائے جس کی ضروری تفصیل پیش کر چکا ہوں ۔

یہ بھی واضح رہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک سنت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ متعدد احادیث و آثار سے ثابت ہو اگر ایک روایت سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصولی طرزِ عمل معلوم ہو جائے اور وہ قاعدہ کلیہ سمجھ میں آجائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کے بارے میں اپنے طرزِ عمل میں ملحوظ فرماتے تھے تو اسی اصولی طرزِ عمل کو وہ سنت کہتے ہیں ۔ اگرچہ اس کے علم کا ذریعہ ایک ہی روایت ہو ۔

سُنّت کے معنیٰ وسیع اور مُتفّق علیہ ہیں

سُنّت کے معنیٰ طریقے کے ہیں ۔ اس کی مناسبت سے رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ۔ کے ہر قول و فعل اور تقریر کو سُنّت کہتے ہیں حدیث کو بھی سنت ان معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ یا تو خود قولِ نبویؐ سے عبارت ہوتی ہے ۔ یا اس کی یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل ، یا آپ کی کسی تقریر کی حکایت و تعبیر ہوتی ہے ۔ یعنی اس طریقہ ، اور طرزِ عمل کو بتاتی ہے جو کسی مسئلے میں آپ نے اختیار فرمایا تھا ، تقریر کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی مسئلے کے بارے میں کسی شخص مومن نے اپنے اجتہاد سے یا پھر اجتہاد کا ایسا کوئی طرز و طریقہ اختیار کیا جس کا علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اور آپ نے اسے اس طرزِ عمل سے منع نہیں فرمایا ۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اسے صحیح قرار دیا ۔ آنحضورؐ کا اُسے صحیح قرار دینا اسے سُنّت بنا دیتا ہے ۔

سنت کے یہ معنیٰ فقہاء و محدثین کے درمیان متفق علیہ ہیں ۔ امام مالکؒ کے بعض اقوال سے جو ڈاکٹر

صاحب اور بعض دوسرے حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ امام صاحب موصوف کے نزدیک سنت کے معنی نمونہ کا ضابطہ کلیہ تک محدود تھے، صحیح نہیں ہے۔ سنت کے مذکورہ بالا عام اور وسیع معنیٰ کے متعدد اقسام نکلتے ہیں۔ ہر سنت کا حکم یکساں نہیں ہے۔ فقہاء بعض اوقات ان اقسام کے درمیان تقابل کو پیش نظر رکھ کر ہی ان کے متعلق بحث و گفتگو کرتے تھے۔

امام مالکؒ کا یہ اصول اجتہاد تھا کہ وہ کسی مسئلے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل، یا تقریر پر اس حیثیت سے نظر کرتے تھے کہ اس سے کوئی اعلیٰ اور مثالی طرز عمل اور اصول کار معلوم ہوتا ہے یا نہیں جسے ضابطۂ عامہ بنایا جائے؟ اگر اس تک ان کی فہم کی رسائی ہوتی تھی، تو ان کی رائے یہ ہوتی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول عمل اور ضابطۂ عامہ کی اتباع کا حکم دیا ہے، یا اس کی ترغیب دی ہے۔ گویا مقصود اتباع اور سنت متبوعہ ہے یہی اصول مقصود ہے نہ کہ اس کی کوئی مخصوص خارجی شکل۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی مخصوص عملی صورتیں سنت نہیں ہیں۔ یا حدیث سنت کے دائرے سے خارج ہے۔ ایک مثال کے ذریعہ میں اس کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔

فرض کیجئے ایک مریض کے قریب مختلف ادویہ کی دس شیشیاں رکھی ہیں۔ تیماردار ایک شیشی اٹھا کر مریض سے کہتا ہے کہ تمہاری دوا یہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے تمہارے مرض کے لئے جو دوا تجویز کی ہے وہ یہ ہے۔ اس سے دوسری شیشیوں میں رکھی ہوئی دواؤں کے دوا ہونے کی نفی نہیں لازم آتی۔ دوسری شیشیوں میں رکھی ہوئی چیزیں بھی دوائیں ہیں۔ مگر وہ اس مریض کے لئے نہیں ہیں اس لئے ان کے مقابلے میں وہ اس کی دوا نہیں ہے اسی طرح اس طریق مثالی اور ضابطۂ عملی کو سنت متبوعہ کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اس کی مخصوص صورت عملی کو غیر متبوعہ قرار دے کر اس کے سنت ہونے کی نفی نہیں کرتے بلکہ سنت مقصودہ، اور مأمورہ بہا ہونے کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کے اس کی سنیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ حاصل کلام یہ کہ سنت کا دائرہ وسیع ہے اور سنت کے معنیٰ کے بارے میں فقہاء و محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سنن عادیہ بھی سنت ہی کی ایک قسم ہیں لیکن ان کی اتباع مقصود نہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کا کوئی مطالبہ شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ مگر اس کی وجہ سے وہ دائرہ سنت سے خارج نہیں ہو جاتیں۔

سنت کے اس متفق علیہ مفہوم و معنیٰ کے پیش نظر ایک فقیہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی

قول یا فعل، یا تقریر کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور اس حقیقت کو ملحوظ رکھنے کے بعد کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کافۃ الناس کے لئے ہوتی ہے۔ فلیں یہ کہ وہ کسی زمانہ کے ساتھ بھی مخصوص و محدود کسی سنت کو کسی ملک، قوم، معاشرے کے ساتھ اس وقت تک مخصوص نہیں سمجھ سکتا ——— جب تک کہ اس تخصیص کے لئے اسے کوئی دلیل شرعی نہ مل جائے۔ البتہ ایک سنت کو دوسری سنت پر ترجیح دینا جائز ہے۔ اور فقہاء اپنے اپنے اصول اجتہاد اور مذاق کے مطابق ایسا کرتے بھی ہیں۔ اکثر و بیشتر مسائل میں اختلافات اسی اختلاف ترجیح پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر کتاب و سنت کی اتباع سب کے پیش نظر ہوتی ہے۔ فقط واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

احرار کارکنوں کے نام

ہدایات

شہداء ختم نبوت کانفرنس ربوہ میں شرکت کے لئے آنیوالے احرار کارکن درج ذیل امور پر توجہ فرمائیں

(۱) کانفرنس میں ہر کارکن لازماً شریک ہو اور سرخ قمیض کا اہتمام کرے۔

(۲) موسم کے مطابق ہلکا بستر ہمراہ لائیں۔

(۳) تمام ساتھی ۲۲ مارچ جمعرات ظہر تک ربوہ پہنچ جائیں۔

(۴) رات کو دیر سے تشریف نہ لائیں۔

(۵) اڈہ ربوہ پر احرار کارکنوں کا ایک استقبالیہ کیمپ آپکی رہنمائی کیلئے قائم کر دیا گیا ہے

(۶) کانفرنس کے موقع پر ربوہ شہر میں گھومنا پھرنا سخت منع ہے۔

(۷) کانفرنس میں شریک ہونیوالے افراد کی تعداد سے مولانا اللہ یار ارشد کو ۲۰ مارچ تک بذریعہ ڈاک مطلع فرمائیں۔

(۸) رکنیت و معاونت سازی کی تاریخ ۱۰ مارچ سے بڑھا کر ۲۰ کر دی گئی ہے۔ مقررہ تاریخ تک انتخابات مکمل کر کے فارم براہِ راست مرکز کو بھیج دیں یا ربوہ ہمراہ لائیں۔

ناظم استقبالیہ، شہداء ختم نبوت کانفرنس،